

علم قراءت کی تدوین و ارتقاء (قراءت کے ضوابط کے تناظر میں)

ڈاکٹر قاری تاج افسر ☆

Abstract

The Science of recitation was initially limited to pedagogy only. As per their capacity Sahaaba-i-kiram (razi Allah o anhum) used to note down the holy verses and their explanation pronounced by the Holy Prophet. But because of their far off journeys and gradual revelation of the Holy Quran, complete compilation could not be materialized. The first caliph Hazrat Abubakr compiled the Holy Quran. When the process of compilation of the related sciences and formation of the relevant rules started taking shape during the period of taabieen, the foremost science was that of Qira'at as it was related to the text of the Holy Quran. So its compilation started before 90 H. How did the science of Qira'at develop through different phases of history? In how many ways did the scholars of the Ummah contribute to it to bring it to culmination? What are the differences among various phases as per compilation? What are the criteria for judgment of a Qira'at? How were the Harf-i-Sab'ah transformed into Qira'at-i-Sab'ah? How did the number of these Qira'at rise from seven to twenty? How can we juxtapose Qira'at-i-Sab'ah with Qira'at-i-Salasaah to determine the status of the latter. These are the points to be explored in this paper. The development has been divided into four stages.

علم قراءت آغاز میں درس و تدریس تک محدود تھا۔ صحابہ کرام[ؓ] حسب استطاعت اپنے لیے حضور ﷺ کی زبان اطہر سے سنی ہوئی آیات کریمہ اور ان کی تفسیر نوٹ کیا کرتے تھے لیکن ان کے دور دراز سفر کی وجہ سے اور قرآن حکیم کے بتدریج نزول کی وجہ سے مکمل تدوین عمل میں نہ لائی جا

سکی۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قرآن حکیم کو مدون کر دیا لیکن قرآن حکیم کے ساتھ متعلقہ علوم کی تدوین اور ان کے قواعد و ضوابط وضع کرنے کا عمل تابعین کے دور سے شروع ہوا تو دیگر علوم میں سرفہرست علم قراءت تھا کہ اس کا تعلق متن قرآنی سے ہے۔ لہذا اس کی تدوین کا آغاز (۹۰ھ) سے پہلے شروع ہو گیا اس وقت سے لے کر متعدد مراحل کا سفر طے کرتے ہوئے علم قراءت کا ارتقاء کس انداز سے ہوا، علماء امت نے کس کس انداز سے اس میں حصہ لیا یہاں تک کہ علم قراءت تن آور درخت بنا۔ ان مراحل کا باہمی فرق تدوین کے اعتبار سے کیا ہے؟ نیز کسی قراءت کی صحت کو پرکھنے کے کیا معیار ہیں؟ احرف سبعہ آئندہ دور میں کیسے قراءت سبعہ بنے؟ نیز ان قراءت کی تعداد سات سے دس کیسے ہوئی؟ واقعاتی اعتبار سے قراءت سبعہ کے مقابلے میں قراءت ثلاثہ کی حیثیت کیا ہے؟ ان امور کو زیر نظر مقالے میں واضح کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے ارتقاء کو مراحل میں تقسیم کیا گیا ہے۔

تدوین کا پہلا مرحلہ:

اختلاف لہجات عرب پر مشتمل اہم تصانیف

جب تابعین کا دور آیا تو قرآن حکیم کی تعلیم دور دراز تک پھیل چکی تھی۔ یہی وہ دور ہے جب تمام علوم کی تدوین کا آغاز ہو رہا تھا۔ لہذا قراءت کی تدوین بھی شروع ہوئی تدوین کا پہلا مرحلہ وہ تھا جب لہجات عرب پر کتابیں لکھی جانے لگیں۔ کسی شیخ یا استاذ کی طرف نسبت نہیں تھی۔ جیسے یحییٰ بن یحییٰ العدوانی (۹۰ھ) نے "کتاب فی القراءۃ" کے عنوان سے تالیف کی۔ جس میں اختلاف قراءت کو مصاحف عثمانیہ کی کتابت کی روشنی میں واضح کیا کہ یہ قراءت مصحف مدنی کے مطابق ہے یا مصحف مکی کے مطابق ہے وغیرہ۔ چونکہ علم قراءت میں یہ پہلی کتاب تھی اس لیے ابن ماجہ (۳۲۴ھ) کی کتاب "السبعة" کے منظر عام پر آنے تک علماء قراءت کے لیے اساسی مرجع کی حیثیت رکھتی تھی۔ اسی طرح عبد اللہ بن عامر شامی (۱۱۸ھ) نے "اختلاف مصاحف الشام والحجاز" کے عنوان سے کتاب لکھی۔ شبیبہ بن نصاح (۱۳۰ھ) نے "الوقوف" کے عنوان سے کتاب تصنیف کی۔ ابان بن تغلب کوفی (۱۴۱ھ) نے بھی قراءت پر کتاب لکھی۔ مقاتل بن سلیمان (۱۵۰ھ) نے بھی "کتاب فی القراءت" سے معنون کتاب لکھی۔ ان کے بعد زائدہ بن قدامۃ الشقی (۱۶۱ھ) نے بھی قراءت میں ایک کتاب لکھی۔ ابو عمرو بصری (۱۵۴ھ) کے شاگرد خاص یحییٰ بن المبارک الیزیدی (۲۰۲ھ) نے ابو عمرو سے استفادہ کی گئی قراءت کے متعلق معلومات پر مشتمل کتاب لکھی۔ خلف بن

ہشام (۲۲۹ھ) نے "الاختیار فی القراءات" کے عنوان سے کتاب مدون کی۔ ابو عمرو حفص بن عمر الدوری (۲۳۶ھ) نے "قراءات النبی ﷺ" کے عنوان سے کتاب تصنیف کی۔^(۱) ان مذکورہ کتب کے حوالہ سے چند امور پیش نظر رہیں:

۱۔ ان کتب میں مطلق اختلاف لہجات عرب کا ذکر تھا تابعین، تبع تابعین یا دیگر معروف قراء کی طرف قراءات منسوب نہیں تھیں۔

۲۔ ان کتب کا اساسی مرجع یحییٰ بن یحییٰ (۹۰ھ) کی کتاب تھی۔

۳۔ ان کتب میں سے اکثر ناپید ہیں۔

دوسرا مرحلہ:

علماء قراءات کی طرف منسوب اہم کتب قراءات

دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوا جب مشہور علماء اور ماہرین قراءات کی طرف نسبت کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس مصنف نے جتنے مشائخ اور ان کی خدمات اور ان کی طرف منسوب لہجات کا ذکر کیا تو گویا اس نے اتنی قراءات میں کتاب لکھی اور اس خاص اسلوب میں پہلا نام ابو عبید القاسم بن سلام (۲۲۴ھ) کا ملتا ہے۔ جنہوں نے پچیس قراءات کی طرف نسبت کرتے ہوئے کتاب مدون کی اور ابو حاتم البحتانی (۲۴۸ھ) نے بیس قراءات کی طرف منسوب اختلاف لہجات کو جمع کیا اور اس کے ساتھ مصاحف عثمانیہ میں پائے جانے والے رسم الخط کے اختلافات کے متعلق بھی کتاب لکھی۔ اس کے بعد احمد بن جبیر بن محمد کوفی (۲۵۸ھ) نے پانچ قراءات کی طرف منسوب قراءات پر کتاب لکھی جس کا نام ہی "کتاب الخمسة" رکھا اور پانچ قراءات مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام، کوفہ اور بصرہ کے ہیں۔ جن میں سے ایک ایک قاری کو شہرت اور خدمات کی بنیاد پر منتخب کیا۔ اسماعیل بن اسحاق مالکی (۲۸۲ھ) نے بیس ائمہ قراءات پر مشتمل کتاب لکھی جن میں وہ سات قراءات بھی شامل ہیں جن پر بعد میں ابن ماجہ (۳۲۳ھ) نے کتاب "السبعہ" میں اکتفاء کیا۔ (۱) اس کے بعد ابو جعفر ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) نے "الجامع" کے عنوان سے کتاب لکھی جس کا حوالہ کئی بن ابی طالب القیس (۳۳۷ھ) بار بار "الابانۃ عن معانی القراءات" میں دیتے ہیں۔ لیکن یہ کتاب مخطوط یا مطبوع کی صورت میں کہیں پائی جاتی ہے یا نہیں؟ اس کا علم نہیں ہو سکا۔ حاجی خلیفہ (۱۰۶۸ھ) لکھتے ہیں:

"محمد بن جریر الطبری جمع کتابا حافلا سماہ "الجامع" فیہ نیف و عشرون

قراءۃ" (۲)

یعنی ابن جریر طبری نے ایک جامع کتاب لکھی جس کا نام "الجامع" رکھا اس میں بیس سے زیادہ قراء ات ہیں۔ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) اپنی تفسیر "جامع البیان عن تاویل آی القرآن" میں بھی قراء ات کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور ان سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کے بعد ابوبکر عبد اللہ بن سلیمان بن الأشعث الجتانی (۳۱۶ھ) نے "المصاحف" کے عنوان سے کتاب لکھی جس میں قراء ات کی تاریخ کے ساتھ مصحف صدیقی، مصاحف عثمانیہ اور دیگر مصاحف صحابہ پر مفصل گفتگو کی ہے۔ اسی طرح ابوبکر احمد بن موسیٰ بن العباس بن مجاہد التمیمی (۳۲۴ھ) نے "السبعة" کے عنوان سے کتاب لکھی۔ قراء ات کے پھیلے ہوئے سلسلے کو ازسرنو مرتب کرنے والے اور حضرت عثمانؓ کے منتخب کردہ شہروں سے نامور سات قراء کا انتخاب کرنے والے، وہ لہجات عرب جو قرآن حکیم کی تلاوت میں ملحوظ رکھے گئے تھے ان کا احاطہ کر کے سات قراء میں سمیٹنے والے ابن مجاہد (۳۲۴ھ) "مجدد قراء ات" تصور کئے جاتے ہیں۔ ان کی کتاب "السبعة" سے قراء ات سب سے دنیا میں اس طرح مشہور ہوئیں کہ مشرق و مغرب میں یہی قراء ات متواتر سمجھی جانے لگیں۔ بعد کے ادوار میں قراء ات سب سے شاید ہی کوئی کتاب ہو جس نے ابن مجاہد (۳۲۴ھ) کی کتاب "السبعة" سے استفادہ نہ کیا ہو۔ ابن مجاہد (۳۲۴ھ) کے بعد ان کے شاگردوں میں بالخصوص حسین بن عبد اللہ ابن خالویہ (۳۷۰ھ) (۳) نے "البدیع فی القراء ات السبع" اور "القراء ات" کے عنوانات سے کتابیں لکھیں (۴) ابن خالویہ (۳۷۰ھ) نے اس تدوین کے ساتھ ساتھ قراء ات کے باب میں دو نئے عنوانات کا آغاز کیا۔ ایک یہ کہ لغات عرب کی روشنی میں مختلف قراء ات کی توجیحات کا آغاز۔ اس سلسلے میں انہوں نے "الحجة فی القراء ات السبع" لکھی۔ دوسرا یہ کہ قراء ات شاذہ کی تدوین کا باقاعدہ آغاز کیا اس سلسلے میں انہوں نے "مختصر من شواذ القرآن" لکھی۔ اس لحاظ سے علم قراء ات میں ابن مجاہد کا کثیر الجہتی تعارف کرانے والے ان کے شاگرد ابن خالویہ ہیں۔

تیسرا مرحلہ:

صحت قراء ات کے ضوابط اور قراء ات سب سے

ضوابط، ضابطہ کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ قواعد کلیہ ہیں جن کی اساس پر کسی قراء ات کو پرکھتے ہوئے اس کو صحیح یا غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جاسکے۔ ان ضوابط کو ارکان، شرائط اور اصول بھی کہا جاتا ہے۔

صحیح قراءت کے ضوابط

قطعاً طور پر اس کا تعین تو مشکل ہے کہ کس دور میں صحیح قراءت کو پرکھنے کے لیے ضوابط مقرر کیے گئے تھے اور کس نے سب سے پہلے یہ کام کیا؟ البتہ تاریخی طور پر مختلف تعبیرات یا جملے ایسے ملتے ہیں۔ جن سے ان کا مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے۔

ابن جنی (۳۹۲ھ) نے قراءت شاذہ کے حوالے سے کہا ہے کہ جو قراءت ابن مجاہد کی

کتاب "السبعة" سے باہر ہیں۔ وہ شاذ ہیں۔ (۵)

چونکہ ابن مجاہد کی بیان کردہ قراءت سبعہ مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے مطابق تھیں۔ اس لیے نتیجہ یہ اخذ کیا گیا کہ جو قراءت سبعہ سے ثابت ہوں اور مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے مطابق ہوں تو وہ قراءت صحیحہ ہوں گی باقی شاذہ ہوں گی۔ اس کے بعد مکی بن ابی طالب القیس (۴۳۷ھ) ابن مجاہد (۳۲۴ھ) کی "السبعة" ابن جنی (۳۹۲ھ) کی المحتسب اور دیگر کتب قراءت کے تجزیے سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ جتنی قراءت بھی روایت کی جا رہی ہیں، تین اقسام سے باہر نہیں ہیں۔

۱۔ ایک وہ قسم ہے جو آج پڑھی جا رہی ہے اور یہ وہ قراءت ہیں جن میں تین امور پائے جا رہے ہوں۔

۱۔ ثقہ راویوں سے نقل ہوتی ہوئی رسول اللہ ﷺ تک پہنچی ہو۔

۲۔ عربی نحو کے مسلمہ اصول و ضوابط کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط میں اس کی گنجائش ہو۔ جس قراءت میں یہ تین امور جمع ہوں

وہ تلاوت کی جائے گی اور اس کا منکر کافر تصور ہو گا۔

۲۔ دوسری قسم وہ ہے جو خبر واحد کے طور پر صحیح السند ہو اور لغت عرب میں اس کی گنجائش ہو لیکن

مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے مخالف ہو تو یہ استدلال کے لیے تو مقبول ہو گی لیکن اس کی تلاوت ناجائز ہوگی۔

۳۔ تیسری قسم وہ ہے جو غیر ثقہ لوگوں سے مروی ہو اور لغت عرب میں اس کے استعمال کی گنجائش

نہ ہو۔ یہ قسم چاہے مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے مطابق بھی ہو قابل قبول نہیں ہوگی۔ نیز مکی بن

ابی طالب القیس (۴۳۷ھ) نے اس کو ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) کے قول کی تفصیل قرار دیا ہے اور ان

ضوابط کو بڑی اہمیت دیتے ہیں "الابانة عن معانى القراءات" میں کئی مقام پر ان کا مختلف انداز سے تذکرہ کرتے ہیں۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

”وانما الأصل الذى يعتمد عليه فى هذا أن ماصح سنده واستقام وجهه فى العربية ووافق لفظه خط المصحف فهومن السبعة المنصوص عليها ولو رواه سبعون ألفا متفرقين أو مجتمعين. فهذا هو الأصل الذى بنى عليه من قبول القراءات عن سبعة أو سبعة آلاف فاعرفه وابن عليه“ (۶)

قراءات کے باب میں اصل یہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو، لغت عرب میں مستعمل ہو اور خط مصحف عثمانی کے مطابق ہو تو حدیث کی نص میں مذکور یہی وہ سب سے ہیں چاہے اس کو ستر ہزار افراد نے انفرادی یا اجتماعی طور پر روایت کیا ہو اور یہی وہ اصل اور ضابطہ ہے جس پر قراءت کی قبولیت کا دار و مدار ہے چاہے وہ سات سے منقول ہو یا سات ہزار سے اس کو پہچانو اور اسی پر آگے بڑھو۔

پہلا ضابطہ: متواتر ہو۔

بایں ہمہ کئی بن ابی طالب القیسى (۴۳۷ھ) کی کسی تحریر میں تواتر کا ذکر نہیں ہے بلکہ صحت اور اتصال سند کو ہی اصل قرار دیتے ہیں۔ امام غزالی (۵۰۵ھ) نے صحت سند یا اتصال سند کی جگہ تواتر کی شرط لگا دی اور اس پر عقلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ ایک ایسی کتاب جس کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہدایت کے لیے نازل کیا ہو اور وہ اس حد تک معجز ہو کہ سارے انس و جن اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوں تو یہ محال ہے کہ وہ متواتر نہ ہو۔ لہذا جو متواتر نہ ہو وہ قرآن ہی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

”العادة تقتضى بأن مثل هذا الكتب الذى يكون هاديا للخلق معجزا على وجه لواجتمعت الانس والجن على أن يأتوا بسورة من مثله لم يقدروا عليه فما كان حاله كذلك يمتنع ألا يتواتر اذ الدواعى تتواتر على نقله الى أن يصير شائعا مستفيضا متواترا فما لم يبلغ حد التواتر يقطع بأنه ليس من القرآن“ (۷)

(ایسی کتاب جو مخلوقات کے لیے سرچشمہ ہدایت ہو تو لازمی ہے کہ وہ ایک ایسا معجزہ ہو کہ سارے جن و انس مل کر بھی اس جیسی کوئی سورت نہ لاسکیں۔ چاہے وہ کوئی مختصر ترین سورت ہی کیوں نہ ہو اور یہ بھی لازمی ہے کہ وہ کتاب تواتر سے ثابت شدہ ہو اور تواتر اس چیز کا متقاضی ہے کہ وہ بات مشہور اور زبان زد عام ہو۔ اگر کوئی آیت تواتر کی حد

کو نہیں پہنچتی تو پھر وہ یقیناً قرآن میں سے نہیں)

اس تواتر کے قول کا استخاوی (علی بن محمد ۶۴۳ھ) النوری (محمد بن ابی القاسم ۸۵۷ھ) اور الصفاقسی (علی بن محمد النوری الصفاقسی ۱۱۱۷ھ) نے خوب پر چار کیا۔

محمد بن ابی القاسم النوری (۸۵۷ھ) فرماتے ہیں:

”عدم اشتراط التواتر فی ثبوت القرآن الکریم قول حادث مخالف لاجماع الفقہاء

والمحدثین وغیر ہم ولم یخالف من المتأخرین الامکی وبعہ بعض المتأخرین“ (۸)

قرآن حکیم کے معاملے میں تواتر کی شرط نہ لگانا ایک نئی بات ہے۔ فقہاء اور محدثین کے اجماع کے خلاف ہے اور کی بن ابی طالب القیس (۴۳۷ھ) اور چند متأخرین کے علاوہ اس کا کوئی بھی مخالف نہیں۔ اسی طرح علی النوری الصفاقسی (۱۱۱۷ھ) نے بھی ایسے لوگوں پر سخت رد کی ہے جو صحت سند پر اکتفاء کرتے ہیں۔ (۹)

ابن الجزری (۸۳۳ھ) کے ہاں دونوں آراء ملتی ہیں۔ منجد المقرئین میں تو وہ تواتر پر ہی زور دیتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد صحت سند پر اکتفاء کے قائل ہو گئے تھے فرماتے ہیں: ”ولقد كنت قبل أجنح الی هذا القول ثم ظهر لی فسادہ“ (۱۰) اس سے پہلے میں خود بھی تواتر کے قول کی طرف مائل تھا لیکن پھر اس کا فاسد ہونا مجھ پر عیاں ہوا۔ اور ساتھ ہی اس فساد کے دو اسباب بیان کرتے ہیں:

پہلا سبب: ”ان التواتر اذا ثبت لا یحتاج فیہ الی الرکنین الأخیرین من الرسم وغیرہ اذا ما ثبت من أحرف الخلاف متواترا عن النبی ﷺ او جب قبولہ وقطع بكونه قرآنا سواء وافق الرسم أم خالفه“ جب تواتر ثابت ہو گیا تو پھر دوسرے دو ارکان یعنی موافقت مصحف اور لغت عربی کی شرط کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ جو چیز رسول اللہ ﷺ سے تواتر سے ثابت ہو گئی اس کا قبول کرنا واجب اور اس کا قرآن ہونا یقینی ہے چاہے مصاحف عثمانیہ کے موافق ہو یا مخالف ہو۔

دوسرا سبب: ”لو اشتراطنا التواتر فی کل فرد من أحرف الخلاف انفضی کثیر من القراءات الثابتة عن هؤلاء الأئمة السبعة وغیر ہم“ (۱۱) یعنی اگر ہر ہر قراءت کیلئے ہم تواتر کی شرط لگا دیں تو پھر اس وقت قراءت سب سے منقول بہت ساری قراءت کی بھی نفی ہو جائے گی۔ لہذا ابن الجزری (۸۳۳ھ) کی آخری رائے صحت سند کی ہی ہے اس کو وضاحت کے ساتھ منظوم شکل میں بھی پیش کیا ہے فرماتے ہیں:

”فكلما وافق وجه نحوى وكان للرسم احتمالاً يحوى وصح الاسناد هو القرآن فهذه الثلاثة الأركان وحيشما يختل ركن أثبت شدوذه لو أنه فى السبعة“ (۱۲) ہر وہ کلمہ جو قواعد نحویہ کے مطابق ہو اور رسم عثمانی میں اس کا احتمال ہو اور اس کی سند بھی صحیح ہو تو وہ قرآن کی متواتر قراءت ہونے کی وجہ سے قرآن کا حصہ ہوگی اور یہی تین ارکان کسی آیت کو قرآن کا حصہ ثابت کرتے ہیں۔ ان میں سے اگر ایک رکن (شرط) بھی کم ہو تو اس کا شاذ ہونا ثابت ہو جاتا ہے، چاہے وہ قراءت سب سے ہی میں کیوں نہ ہو)

علامہ محمد طاہر بن عاشور (۱۹۷۳ء) نے دونوں آراء کے درمیان تطبیق پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں: اگر کوئی قراءت تواتر کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہو تو اس میں کسی دوسری شرط کی ضرورت ہی نہیں اور اگر ایک قراءت صرف صحیح السند ہو اور تواتر کے درجے تک نہ پہنچ رہی ہو تو اس میں دیگر دو شروط کا لحاظ بھی رکھا جائے گا۔ (۱۳)

قراءت کے حوالے سے یہی بات موزوں معلوم ہوتی ہے کہ اس میں مطلقاً تواتر شرط قرار نہ دیا جائے۔ النویری (۸۵۷ھ) کی رائے پر تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں خلط فی المبحث ہے۔ ایک تو یہ کہ امام غزالی (۵۰۵ھ) کے جس قول کو بنیاد بنا کر وہ قراءت کے تواتر پر زور دیتے ہیں وہ مطلق قرآن حکیم کے متعلق ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ قرآن حکیم سارا متواتر ہی ہے۔ جبکہ قراءت قرآنیہ قرآن حکیم کی مختلف وجوہ اداء کا نام ہے۔ اس کا حکم خود متن قرآن سے مختلف ہے۔ امام غزالی (۵۰۵ھ) کا یہ جملہ قابل غور ہے: "فمالم يبلغ حد التواتر يقطع بانہ ليس من القرآن" اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ گویا امام غزالی نے یہاں قرآن کے متعلق بات کی ہے قراءت قرآنیہ کے متعلق نہیں کی۔

دوسرا یہ ہے کہ النویری نے صحت سند کے قول کو فقہاء اور محدثین کے اجماع کے خلاف قرار دیا ہے جبکہ ہر فن کی اپنی مصطلحات اور ان کا مفہوم ہوتا ہے۔ چنانچہ فقہاء اور محدثین کے ہاں جو تواتر کا مفہوم ہے وہ یقیناً قراءت کے تواتر سے مختلف ہے۔ فقہاء اور محدثین کے پیش نظر رجال کی جرح و تعدیل ہوتی ہے اور جرح و تعدیل کی اصطلاحات دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ظہور پذیر ہوئیں۔ ایک محدث کے درمیان اور رسول اللہ کے درمیان متعدد واسطے تھے ان واسطوں میں مختلف خصلتوں کے لوگ بھی تھے۔ ضروری تھا کہ متواتر حدیث کے لیے ایک معقول اجتماع کو لازمی قرار دیا

جائے جس کا جھوٹ پر جمع ہونا ناممکن ہو۔ لہذا متواتر کی تعریف ہی یہ کی گئی ”مارواہ جمع عن جمع لایمکن توافقہم علی الکذب عادة“ (۱۴) اور یہ تواتر اسناد کہلاتا ہے جبکہ قراءت قرآنیہ کے تواتر کو تواتر طبقہ کہا جاتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۹۴۹ء) فرماتے ہیں:

”هذا التواتر يسمى تواتر الطبقة لأنه تلقاه الكافة عن الكافة طبقة عن طبقة ولا يحتاج الى اسناد يكون عن فلان عن فلان بل هو شيء ينقله أهل المشرق والمغرب عن أمثالهم جيلا جيلا، لا يختلف فيه مؤمن ولا كافر منصف غير معاند للمشاهدة“ (۱۵)

(متواتر کی اس قسم کو ”تواتر الطبقة“ کہا جاتا ہے کیوں کہ اس میں عوام الناس کا ایک گروہ دوسرے گروہ سے روایت بیان کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے لیے کسی سند کا ہونا یا اس روایت کو ایک فرد کی جانب منسوب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ ”فلاں نے فلاں سے روایت کی ہے“ بلکہ اس میں خطہ ارضی کے مشرق و مغرب سے لوگوں کا ایک ہجوم اپنے سے پہلے والے لوگوں سے روایت نقل کر رہا ہوتا ہے۔ (نسل در نسل یہ روایت چلی آ رہی ہوتی ہے)۔ اس میں تو کوئی کافر و مومن اختلاف نہیں کر سکتا۔ اگر وہ حق بات کو حق کہنے والا ہو اور مشاہدات کو تسلیم کرنے والا ہو)

قراءت قرآنیہ میں معروف قراء کرام اور رسول اللہ کے درمیان صحابہ کرام اور زیادہ سے زیادہ تابعین کا واسطہ ہے اور صحابہ و تابعین میں نسل در نسل اس علم کے محافظ تھے اس سے ابن الجزری (۸۳۳ھ) کی رائے کا وزن معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مقام پر صحت سند بھی قوت کے اعتبار سے محدثین کے متواتر کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔

دوسرا ضابطہ: عربی نحو کے مسلمہ اصول و ضوابط کے خلاف نہ ہو

علماء نحو کی قلت و کثرت اور ان کا اختلاف و اتفاق اس پر اثر انداز نہیں ہو گا۔ جیسے آیت ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ﴾ [النساء: ۱] میں سوائے امام حمزہ کے باقی قراء نے والارحام کو منصوب پڑھا ہے اور اس کا عطف اللہ پر ہے۔ جبکہ امام حمزہ نے مجرور پڑھا ہے اور اس کا عطف بہ کی ہاء ضمیر پر ہے۔ (۱۶)

علماء نحو کے ہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ عطف الظاہر علی الضمیر جائز ہے یا نہیں۔ اہل کوفہ کے ہاں جائز ہے لیکن بصریوں کے ہاں بغیر اعادہ جار کے جائز نہیں ہے اور جمہور کی رائے بصریوں کے ساتھ ہی ہے اس کے مقابلے میں کوفین کی رائے مرجوح ہے لیکن یہ قراءت صحیح السند ہونے کی

وجہ سے مقبول ہے اور نحویوں کے باہمی اختلاف کو اس میں دخل نہیں ہے۔ (۱۷)

تیسرا ضابطہ: مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط میں اس کی گنجائش موجود ہو

یعنی وہ مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کے موافق ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جب متعدد نسخے (مصاحف) تیار کروائے تو جو قراءات ایک ہی رسم الخط پر منطبق ہو سکتی تھیں وہاں تمام مصاحف میں ایک ہی رسم کے ساتھ لکھا جیسے ﴿فَتَبَيَّنُوا﴾ [النساء: ۹۴] اس کلمہ کو نقاط اور حرکات سے خالی کر دیا جائے جیسے عرب کے ہاں راجح تھا تو یہی رسم الخط فستبتوا کو بھی شامل ہو جاتا ہے اور یہ امام حمزہؓ اور کسائیؓ کی قراءات ہے (۱۸) لیکن جہاں ایک رسم متعدد قراءات کو شامل نہ ہو سکتی تھی وہاں مصاحف میں قراءات کا لحاظ رکھا۔ جیسے ﴿وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ﴾ [البقرة ۱۳۲] میں واوصی پڑھا گیا ہے جس میں ہمزہ کا اضافہ ہے۔ اس کو حضرت عثمانؓ نے مصحف مدنی اور شامی میں ہمزہ کے ساتھ لکھ دیا اور باقیوں میں بغیر ہمزہ کے لکھا۔ یہی امام نافع اور امام ابن عامر شامی کی قراءات ہے۔ اسی طرح ﴿تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ﴾ [التوبة: ۱۰۰] میں جمہور قراء من جارہ کے حذف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جبکہ ابن کثیر مکی من جارہ کے اثبات سے پڑھتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے ارسال کردہ مصحف مکی میں من جارہ کا اضافہ موجود ہے جبکہ دوسرے مصاحف میں نہیں ہے اس طرح دونوں قراءتیں رسم مصحف عثمانی کے مطابق قرار پائیں (۱۹) اس موافقت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ موافقت صریحہ: جیسے قراءت ہو ویسی ہی لکھی ہوئی ہو۔

۲۔ موافقت تقدیریہ: ایک قراءت اصل کلمہ کی اساس پر ہو اور دوسری قراءت ظاہر رسم پر ہو جیسے ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ [الفاتحة: ۵] میں تمام قراء نے الصراط صاد کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ ابن کثیر کی قراءت میں بروایت قبل الصراط سین کے ساتھ ہے (۲۰) جو بظاہر مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ کسی مصحف میں سین نہیں ہے۔ دراصل یہ کلمہ لغت عرب میں سین کے ساتھ ہے سرط سے مشتق ہے جس کا معنی نکلنا ہے گویا راستے پر چلنے والا آدمی بھی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے جیسے راستے نے اس کو نکل لیا ہو لہذا راستے کو سراط کہا گیا (۲۱) راء الف اور طاء تمام کے مضمون ہونے کی وجہ سے سین مرققہ کی ادائیگی میں ثقل کی وجہ سے اس کو مضمون حرف یعنی صاد سے تبدیل کر دیا تاکہ ادائیگی میں سہولت ہو جبکہ دونوں کا مخرج بھی ایک ہے۔ لہذا سین والی قراءات کی موافقت تقدیریہ ہوئی۔ یعنی اصل کلمہ کی بنیاد پر ہوئی اور صاد والی قراءات موافقت صریحہ پر مبنی ہوئی خلاصہ یہ ہے کہ قراءات صحیحہ کی تین شرائط ہیں:

- ۱۔ سند کے اعتبار سے صحیح ہو۔
- ۲۔ مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط میں اس کی گنجائش موجود ہو۔
- ۳۔ عربیت کے مسلمہ قواعد کے خلاف نہ ہو تو وہ قراءت صحیحہ ہے ورنہ شاذ ہے۔

چوتھا مرحلہ: ابن مجاہد (۳۲۴ھ) کی "السبعة" کی اساس پر قراءت سبعمہ کی تدوین

تیسرے مرحلے میں مذکورہ شرائط صحت قراءت کے تناظر میں ہی کتب قراءت کی چھان بین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ ابن مجاہد (۳۲۴ھ) کے بعد متعدد علماء نے قراءت میں کئی ایک کتب لکھیں لیکن ان میں شاید وہ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ترتیب نہیں تھی جو ابن مجاہد کی "السبعة" میں تھی۔ اس لیے ان کتب کی طرف التفات کم نظر آتا ہے۔ ان دیگر کتب میں ابن مہران ابوبکر احمد بن الحسین الاصبہانی (۳۸۱ھ) کی الغایۃ فی القراءات العشر، المبسوط فی القراءات العشر اور ابو الحسن طاہر بن عبد المنعم بن عبد اللہ بن غلبون الکلبی (۳۹۹ھ) کی التذکرۃ فی القراءات الثمان ہیں۔ لیکن ابن مجاہد (۳۲۴ھ) کے تلامذہ میں سے خصوصاً ابن خالویہ (۳۷۰ھ) نے تمام تر توجہ قراءت سبعمہ پر ہی مرکوز رکھی اور ساتھ جہاں قراءت سبعمہ کی تدوین کا کام شروع کیا وہاں قراءت سبعمہ کی تائید کے لیے قواعد لغت سے استدلال پر مستقل تصانیف کا آغاز کیا اور "الحجۃ فی القراءات السبع" لکھی۔ اسی کے تتمہ کے طور پر کئی بن ابی طالب القیس (۴۳۷ھ) نے "الکشف عن وجوه القراءات السبع وعللها وحججها" اور مکی نے اس کے ساتھ پہلی دفعہ تاریخ قراءت، سبعمہ احرف کا مفہوم، شرائط قراءت وغیرہ پر "الابانۃ عن معانی القراءات" لکھی۔ اسی طرح ابن مجاہد کی "السبعة" کی ہی طرز پر ابو عمر عثمان بن سعید الدانی (۴۴۴ھ) نے "التیسیر فی القراءات السبع" اور "جامع البیان فی القراءات السبع" لکھی۔

ان کے بعد ابو جعفر احمد بن علی بن احمد بن خلف الانصاری المعروف ابن الباذش (۵۴۰ھ) نے الدانی (۴۴۴ھ) کی کتاب کی تنقیح و تتمہ کے طور پر "الاقناع فی القراءات السبع" لکھی۔ الدانی (۴۴۴ھ) کی "التیسیر" میں اس وقت جان پڑ گئی جب امام القاسم بن فیہرہ الشاطبی (۵۹۰ھ) نے اس کے مسائل کو ۱۱۷۳ شعروں میں منظوم کیا اور اس کا نام "حرز الأمانی ووجه التہانی فی القراءات السبع" رکھا اور ایسی شہرت ہوئی کہ آج تک قراءت کے افتق پر چھائی ہوئی ہے۔ اصل نام کی بجائے قصیدہ شاطبیہ یا قصیدہ لامیہ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

شرق و غرب میں قراءت کا طالعلم اس سے مستغنی نہیں ہے، اس اعتبار سے وہ اپنی اصل

"التیسیر" پر بھی حاوی ہو گئی ہے۔ علامہ شاطبیؒ نے التیسیر پر کچھ ابواب اور ضروری فوائد کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اپنے قصیدے کے متعلق فرماتے ہیں:

”وفی یسرھا التیسیر رمت اختصاره فاجنت بعون اللہ منہ مؤملا“

اس قصیدے کے آسان معانی میں، میں نے کتاب تیسیر کے اختصار کا ارادہ کیا پس اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس قصیدے نے اس کتاب سے اپنی آرزو کا پھل حاصل کر لیا۔ نیز التیسیر پر اضافی فوائد کے بارے میں فرماتے ہیں:

”وألفا فہا زادت بنشر فوائد فلفت حیاء وجہھا أن تفضلا“ (۲۲)

اس قصیدے کے مضامین بہت سے علمی فوائد میں تیسیر سے بڑھ گئے لیکن ان فوائد نے شرم کی وجہ سے اپنا چہرہ چھپایا ہوا ہے کہ کہیں اس قصیدے کو "التیسیر" پر فضیلت نہ دے دی جائے۔ گویا قراءت میں بے شمار تصانیف کے ہوتے ہوئے بھی ابن مجاہد کے "السبعة" کے سلسلے کو ایسی شہرت اور مقام ملا ہے جس کا نقطہ عروج علامہ شاطبی (۵۹۰ھ) کی حرز الامانی ہے۔

پانچواں مرحلہ: حرز الامانی کی شروحات کی صورت میں قراءت سب سے پر تصانیف

علامہ شاطبیؒ کی "حرز الامانی" کے بعد اس کی شروح کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے ان کے شاگرد علی بن محمد بن عبد الصمد، علم الدین السخاوی (۶۳۳ھ) نے "فتح الوصید فی شرح القصید" کے نام اس کی شرح لکھی۔ ان کے ہم عصر ابو عبد اللہ الموصلی، محمد بن احمد حسینی (۶۵۶ھ) نے "کنز المعانی فی شرح حرز الامانی" المعروف شرح شعلہ لکھی اور آج تک حرز الامانی کی شروحات کا سلسلہ جاری ہے۔ اکثر مدارس و جامعات میں مشاہدہ کیا گیا ہے کہ حرز الامانی (شاطبیہ) اور اس کی شروح کے علاوہ قراءت کی کسی کتاب کا تعارف ہی نہیں۔ جن دیگر علماء کرام نے اس قصیدے کی شرح کی ہے ان میں سے مشہور ترین یہ ہیں:

۱۔ ابو شامہ عبد الرحمن بن اسماعیل المقدسی (۶۶۵ھ) شرح کا نام "ابراز المعانی من حرز الامانی" ہے۔

۲۔ الجعفری، ابراہیم بن عمر برہان الدین (۷۳۲ھ) "کنز المعانی شرح حرز الامانی"

۳۔ ابن القاصح، العذری البغدادی، علی بن عثمان (۸۰۱ھ) "سراج القاری المبتدی وتذکار المقرئ

المنتہی"

- ۴۔ السیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر (۹۱۱ھ) ”شرح الشاطبیه“
- ۵۔ ملا علی قاری لہروی علی بن سلطان (۱۰۱۴ھ) ”شرح ملا علی قاری علی متن الشاطبیه“
- ۶۔ علی محمد الضباع المصری (۱۳۷۶ھ) ”ارشاد المرید الی مقصود القصید“
- ۷۔ فتح محمد (عمی) قاری پانی پتی (۱۴۰۷ھ) ”عنایات رحمانی شرح حرز الامانی“
- ۸۔ اظہار احمد تھانوی قاری (۱۴۱۲ھ) ”امانیہ شرح شاطبیه“۔ اور یہ تمام شروح مطبوع اور متداول ہیں۔

چھٹا مرحلہ: ابن الجزری کی تحقیق اور قراءات عشرہ:

ابن مجاہد (۳۲۴ھ) سے لے کر ابن الجزری (۸۳۳ھ) کے دور تک گو متفرق طور پر متعدد قراءات میں کئی اطراف سے تصانیف کا سلسلہ جاری رہا۔ کہیں قراءات سبعہ میں تصانیف تو کہیں آٹھ قراءات میں تصانیف اور کہیں بیس اور پچیس قراءات میں تصانیف اسی طرح کہیں قواعد نحو کی روشنی میں قراءات کی توجیہات اور کہیں قراءات شاذہ کی تدوین و تالیف کا سلسلہ جاری رہا لیکن تصانیف کا ایک مرکزی سلسلہ تھا جس کی اساس ابن مجاہد (۳۲۴ھ) کی کتاب ”السبعة“ تھی۔ ”السبعة“ کے بعد حرز الامانی (قصیدہ شاطبیه) نے تو قراءات کے میدان میں اعتقاد کی حد تک یہ بات راسخ کر دی کہ قراءات متواترہ صرف سات ہی ہیں باقی شاذہ ہیں۔ متقدمین میں سے عبدالکریم بن محمد الرافعی (۶۲۳ھ) شارح مسلم یحییٰ بن شرف الدین النووی (۶۷۷ھ) اور متأخرین میں ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

”وأما ما فوق السبعة من العشرة وهي الثلاثة فعامة العلماء الحنفية وجمهور

الفقهاء الشافعية على أنها شاذة“ (۲۳)

شہیدبالا کوٹ شاہ اسماعیل (۱۸۳۱ء) بھی اسی کے قائل ہیں (۲۴) اس کے برعکس ابن الجزری (۸۳۳ھ) نے مذکورہ قراءات سبعہ کے ساتھ مزید تین قراءات کا اضافہ کیا اور اپنی ابتدائی دور کی تصنیف منجد المقرئین میں تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی اور متواتر قراءات عشرہ کو قرار دیا۔ علامہ شاطبہ (۵۹۰ھ) کی حرز الامانی کے بعد اپنی تصنیف ”الدرۃ المضیئة فی القراءات الثلاث“ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا نیز ”النشر فی القراءات العشر“ کے عنوان سے مفصل کتاب لکھی پھر اس کی تلخیص کی جس کو ”تقریب النشر فی القراءات العشر“ کا عنوان دیا اور

پھر النشر کو منظوم میں پیش کیا جس کا نام "طیبة النشر فی القراءات العشر" ہوا۔

ان مذکورہ کتب میں تین قراءات کی نسبت جن تین ائمہ کی طرف ہے۔ وہ ابو جعفر یزید بن قعقاع (۱۳۰ھ) یعقوب بن اسحاق البصری (۲۰۵ھ) اور خلف بن هشام (۲۲۹ھ) ہیں اور اس رائے میں جن شخصیات کا اپنے ہمنوا کے طور پر ذکر کیا ہے وہ چار ہیں اور چاروں مفسر، محدث یا فقیہ ہیں۔ سوائے ابو الحسن الہمدانی (۵۶۹ھ) کے۔ علم قراءات کی درس و تدریس میں ان میں سے کسی کا عمل دخل زیادہ نہیں رہا۔

۱۔ حسین بن مسعود البغوی (۵۱۰ھ) اور ان کے ہاں بھی نو قراءات کا ذکر ہے خلف کا ذکر نہیں۔
۲۔ ابو العلاء الحسن بن احمد الہمدانی (۵۶۹ھ) ”الغایة فی القراءات العشر“ کے عنوان سے کتاب لکھی ہے۔

۳۔ ابو حیان الاندلسی (۷۴۵ھ)

۴۔ عبد الوہاب السبکی (۷۷۱ھ) ان میں سے بھی اصل رائے بغوی کی ہے باقی نے ان کی اتباع کی ہے۔ (۲۵)

قراءات سب سے کے ساتھ ان تین قراءات کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین قراءات مستقل شمار نہیں کی جاسکتیں۔ ان کے اصول وہی ہیں جو قراءات سب سے میں موجود ہیں۔ مثلاً ابو جعفر (۱۳۰ھ) کے میم جمع کا صلہ، ہاء ضمیر کا صلہ، قراء سب سے میں سے امام ابن کثیر کے ہاں متعارف ہے۔ اسی طرح یعقوب بصری (۲۰۵ھ) کے ہاں پایا جانے والا ادغام کبیر، قراء سب سے میں سے ابو عمرو البصری (۱۵۴ھ) کے ہاں موجود ہے (۲۶) اور دسویں قاری کے طور پر ابن الجزری (۸۳۳ھ) نے خلف بن هشام (۲۲۹ھ) کا نام متعین کیا جن کے بارے میں خود ابن الجزری کے بیٹے احمد بن محمد بن الجزری (۸۵۹ھ) نے کہا ہے کہ خلف کے لیے قراء سب سے کے اصول سے باہر کوئی اصول ہے نہ کوئی مفرد کلمہ۔ (۲۷)

تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ چند مفرد کلمات کے اختلافات ہیں جو ابو جعفر یزید بن قعقاع (۱۳۰ھ) اور یعقوب (۲۰۵ھ) کے ہاں پائے جاتے ہیں اور جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں جیسے ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ﴾ [النور: ۲۲] کو ابو جعفر نے ﴿وَلَا يَتَأَلَّ﴾۔ باب تفعّل سے پڑھا ہے۔ اسی طرح یعقوب کے ہاں ﴿قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ﴾ [الحجر: ۴۱] کو ﴿صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ﴾ بروزن فَعِيلٌ ہے۔ (۲۸)

اس لحاظ سے قراءات متواترہ سات ہی ہیں اور ابو جعفر و یعقوب کی قراءات ان کے لیے تترہ کا درجہ رکھتی ہیں (۲۹) نواب صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) قراء سبعہ کو اصل قرار دینے کے بعد فرماتے ہیں: "بعض العلماء الحقوبہم یعقوب الحضرمی" گویا نواب صاحب کے ہاں زیادہ سے زیادہ آٹھ قراءات ہیں۔ چنانچہ مزید فرماتے ہیں "وأما ما وراء هؤلاء الثمانية..... فقد اتفقوا على شذوذها" (۳۰)

علم قراءات کا روایتی پہلو

علم قراءات کا ایک تاریخی پہلو ہے، جس کا تعلق متن قرآنی اور احرف سبعہ کی روشنی میں وجوہ قراءات کی حفاظت سے ہے۔ جس پر تذکرہ سابقہ سطور میں گذر چکا ہے۔ دوسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ قراءات متواترہ اور شاذہ میں فرق کیا ہے؟ قراءات کی ہر دو اقسام کی پہچان کیسے ہوگی؟ اس بارے میں اہل علم میں بنیادی اختلاف رائے یہ ہے کہ آیا یہ معاملہ قرآنی روایت کا ہے جس میں اجتہاد یا رائے دینے کا کوئی تصور نہیں ہے یا اس امر کا تعلق علوم القرآن سے ہے جس کے قواعد و ضوابط اجتہادی اور ظنی ہیں اور اس کا تعلق درایت کے ساتھ ہے؟

علماء قراءات میں سے اکثریت کی رائے یہ ہے کہ قراءات کا معاملہ توقیفی ہے اس میں کسی قسم کی رائے کا عمل دخل نہیں ہے۔ اس رائے کی تصریح کرنے والوں میں سلیمان بن موسیٰ اموی (۱۱۹ھ) ابن حیحین (۱۲۳ھ) ابو اسحاق الزجاج (۳۱۱ھ) شامل ہیں۔ (۳۱)

ابن مجاہد (۳۲۴ھ) فرماتے ہیں: "قراءات سنت ہے جس کی اتباع لازم ہے ہر بعد میں آنے والا پہلے والے سے لینے کا پابند ہے" (۳۲) مکی بن ابی طالب القیس (۴۳۷ھ) اسی رائے کو تاکید سے بیان کرتے ہیں (۳۳) علی بن احمد بن حزم ظاہری (۴۵۶ھ) بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ (۳۴) علامہ شاطبی القاسم بن فیرہ (۵۹۰ھ) فرماتے ہیں:

”وما لقياس في القراءات مدخل فدونك ما فيه الرضا متكفلا“ (۳۵)

قراءات کے باب میں کسی اجتہاد اور قیاس کو دخل نہیں ہے۔ اس میں اسی کو لے لو جو پسندیدہ طریقے سے ثابت ہے دراصل حال کہ تو اپنے آپ کو ذمہ دار ثابت کرنے والا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ قراءات کا علم توقیفی ہے اس میں رائے اور اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ علم رسول اللہ اور صحابہؓ سے اسی طرح منقول چلا آ رہا ہے۔ لہذا اس علم میں رائے اور اجتہاد

سے کام لینے والا شخص بدعتی ہے۔ (۳۶) اس کے برعکس متکلمین کی اکثریت علم قراءت میں بھی دوسرے علوم کی طرح اجتہاد اور استنباط کے جواز کی قائل ہے ان کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔ قراءت کی مختلف اقسام اور ان کا تعین کہ یہ قراءت متواتر ہے یا مشہور ہے یا شاذ ہے اور اس قراءت کا تعلق تفسیر سے ہے یا الفاظ سے ہے وغیرہ۔ یہ سارے مسائل مبنی بر اجتہاد ہیں۔ ان میں رائے کی گنجائش موجود رہتی ہے۔

۲۔ قراءت کی شروط ثلاثہ، جن پر کسی قراءت کی صحت کو پرکھا جاتا ہے۔ یعنی: i۔ صحت سند ii۔ مصاحف عثمانیہ میں کسی مصحف کے مطابق ہونا، iii۔ وجہ لغت سے باہر نہ ہونا یہ سارے ضوابط اجتہادی ہیں نہ حضورؐ کے دور میں تھے اور نہ صحابہ کرامؓ کے دور میں تھے۔

۳۔ ان قراءت کی نسبت قراءت کی طرف اجتہادی اور ظنی ہے اور یہ نسبت تابعین کے دور میں ظہور پذیر ہوئی۔

۴۔ جمع قرآن کے حوالہ سے صحابہ کرامؓ کی باہم مشاورت اور آخر میں اس پر اجماع بھی اجتہادی مسئلہ ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں دونوں آراء کی تطبیق کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم کا ایک وہ پہلو ہے جس کا تعلق متن قرآنی سے ہے اس میں تو قراء کرام کا اختلاف منقولی ہے نہ کہ اجتہادی۔ جبکہ دوسرا پہلو تاریخ قرآن اور قراءت کا ہے جن میں قراءت شاذہ، تفسیریہ اور منسوخہ کو متواترہ سے الگ کرنا شامل ہے۔ اس کا تعلق علوم قراءت سے ہے اور اس قسم کے سارے مسائل اجتہادی ہیں۔

امام شاطبیؒ کے شعر مذکور کی توجیہ تمام شرح نے یہی کی ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ کسی قراءت میں قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس سے مراد ایسا قیاس ہے جس کی بناء پر کوئی مستقل قاعدہ اپنی رائے سے بنایا جائے اور اس کو قطعی سمجھ لیا جائے یا قراءت متواترہ کے شروط ثلاثہ کی پرواہ کیے بغیر متن قرآنی میں کسی لہجہ یا قراءت کا اضافہ کرنا، اس کی گنجائش نہیں ہے اور یہ اس لیے کہ تورات و انجیل کی طرح قرآن حکیم میں بھی خلط ملط نہ ہو جائے۔ (۳۷)

ائمہ قراءت کا تعارف

۱۔ قراءت سبعہ:

گذشتہ سطور میں گذر چکا ہے کہ ابن مجاہد سے پہلے قراءت منضبط نہیں تھیں۔ ابن مجاہد

(۳۲۲ھ) نے یہ کیا کہ بڑے شہر جہاں حضرت عثمانؓ نے مصاحف بھجوائے تھے ان شہروں میں سے ایسے ائمہ کا انتخاب کیا جن کی خدمات مسلمہ تھیں۔ مثال کے طور پر امام نافع مدنی نے ستر مشہور تابعین سے استفادہ کیا اس استفادہ اور ملازمت شیخ، نیز ان کی تدریسی خدمات نے ان کو دنیا میں متعارف کروا دیا۔ خود امام نافع کا بیان ہے کہ جس قراءت پر اساتذہ اور مشائخ کی کثرت دیکھی تو اس کو میں نے اختیار کر لیا (۳۸) یہی انتخاب کی وجہ باقی قراءت کی بھی ہے۔ امام شاطبی القاسم بن فیہرہ (۵۹۰ھ) نے حزر الامانی میں ان قراءت کے انتخاب کی وجہ ذکر کی ہے فرماتے ہیں:

”تخیرہم نقادہم کل بارع ولیس علی قرآنہ متاکلا“ (۳۹)

امت کے بڑے ناقدین اور علم الجرح و التعديل کے ماہرین نے نسبت کے لیے ایسے افراد کا انتخاب کیا ہے جو تقویٰ کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے اور قرآن مجید کو انہوں نے ذریعہ کسب مال نہیں بنایا تھا۔ ابو عمرو الدانی (۴۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ قراءت کی طرف نسبت اختیاری ہے اور یہ نسبت اختیاری، الزام، اہتمام اور دوام کی بنیاد پر ہے۔ کسی اختراع کی بنیاد پر نہیں ہے۔ (۴۰) آئندہ سطور میں ان قراءت کا تعارف پیش کیا جائے گا جن کی طرف قراءت سب سے نسبت ہے۔

۱۔ امام عبداللہ بن عامر الشامی (۷۰۸ھ-۱۱۸ھ)

نام عبداللہ بن عامر بن یزید بن تمیم بن ربیعہ بن عامر الجھمی ہے۔ مشہور کنیت ابو عمران ہے۔ دراز قد اور لمبی داڑھی تھی۔ معمولی لنگڑا کر چلتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے۔ جب عمر دو سال تھی تو رسول اللہ ﷺ دنیا سے وصال فرما گئے۔ ولید بن عبدالملک کے عہد کے قاضی دمشق اور عمر بن عبدالعزیز کے دور کے خطیب دمشق رہے۔ ابن عامر کے شیوخ میں حضرت ابوالدرداءؓ حضرت مغیرہ بن شہاب الحزومی (جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے شام کے لیے نامزد قاری مبعوث کیے گئے تھے) حضرت فضالہ بن عبید انصاری (۵۸ھ) وائلہ بن الاسقع اللیثی (۸۵ھ) رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ ان کا سماع رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ علاوہ ازیں خود حضرت عثمانؓ، حضرت معاویہ بن سفیانؓ اور حضرت نعمان بن بشیر (۶۵ھ) سے ابن عامر شامی کا سماع ثابت ہے اور یہ تمام حضرات رسول ﷺ کے فیض یافتہ ہیں۔ (۴۱) اور لاکھوں شاگردوں میں سے ان کے راوی عبد اللہ بن ذکوان (۲۴۲ھ) اور ہشام بن عمار (۲۴۶ھ) ہیں۔

۲۔ امام ابن کثیر مکیؒ (۴۵ھ-۱۲۰ھ)

عبداللہ بن کثیر بن عمرو بن عبداللہ مکی داری فارسی الاصل ہیں۔ تابعین کے دوسرے طبقے کے لوگوں

میں سے ہیں، عطار تھے۔ بحرین میں ہندوستان کی برآمد شدہ عطر کا کاروبار کرتے تھے۔ بحرین کا شہر دارین عطر کی تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ اسی نسبت سے داری مشہور ہوئے۔ اس نسبت کی ایک وجہ اور بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت تمیم داریؓ کے قبیلے بنودار سے تعلق تھا۔ اس لیے داری کہلائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اپنے دار یعنی گھر میں جو کچھ ہوتا فوراً خرچ کر دیتے تھے۔ خالی گھر کی وجہ سے داری مشہور ہوئے۔ پہلی توجیہ کو ابن الجزری نے راجح قرار دیا ہے۔ (۴۲) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (۷۳ھ) حضرت ابو ایوب انصاری (۸۱ھ) حضرت انس بن مالکؓ سے ملاقات ثابت ہے۔ ابن کثیر مکی کے خصوصی اساتذہ میں عبداللہ بن السائب المخزومیؓ (۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خصوصی شاگرد مجاہد بن جبرالمکی (۱۰۴ھ) اور حضرت ابن عباسؓ کے غلام درباس قابل ذکر ہیں۔

ان حضرات نے حضرت ابن عباسؓ سے انہوں نے ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ سے انہوں نے رسول ﷺ سے قرآن حکیم پڑھا۔ تلامذہ میں اپنا بیٹا صدقہ بن عبد اللہ، حماد بن زید (۱۶۹ھ) حماد بن سلمہ (۱۶۷ھ) خلیل بن احمد (۱۷۰ھ) ابو عمرو بن العلاء البصری، سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) مشہور ہیں۔ ابن کثیر مکیؓ کے وہ راوی جو ان کی قراءت کے سلسلے میں سند تصور کیے جاتے ہیں، شبل بن عباد (۱۶۰ھ) اور اسماعیل بن عبداللہ القسط (۱۷۰ھ) ہیں۔ جن سے یہ فیض عکرمہ بن سلیمان (۲۰۰ھ) بواسطہ ابو الاخریط (۱۹۰ھ) ابوالحسن القواس (۲۳۵ھ) کی طرف منتقل ہوا۔ پھر عکرمہ کے شاگرد احمد البرزی (۲۵۰ھ) اور القواس کے شاگرد محمد بن عبد الرحمن قنبل (۲۹۱ھ) ہیں۔ آخر الذکر دو حضرات کے ذریعے آپ کی قراءت پھیلی۔

۳۔ امام عاصم بن ابی الجؤدؓ (وفات-۱۲۷ھ)

مکمل نام عاصم بن بھدلہ ابن ابی الجؤد کوفی اسدی، ابوبکر کنیت ہے۔ مشہور ہے کہ بھدلہ والدہ کا نام ہے اور ابو الجؤد، والد کا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابو الجؤد کا نام عبداللہ ہے۔ ابو عبدالرحمنؓ (۷۳ھ) کے بعد کوفہ کے بلند پایہ عالم ہوئے ہیں۔ فصاحت و بلاغت، ضبط و تحریر اور تجوید میں منفرد مقام رکھتے تھے۔ شیوخ میں ابو عبد الرحمن حبیب السلمی، ابو مریم زر بن حبیش الاسدی (۷۲ھ) اور حضرت انس بن مالکؓ زیادہ مشہور ہیں۔

ان مشائخ نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے پڑھا اور انہوں نے رسول ﷺ سے قرآن حکیم پڑھا۔ تلامذہ میں بے شمار لوگ ہیں۔ جن میں حماد بن سلمہ، سلیمان بن مہران اعمش، ابوبکر شعبہ بن عیاش (۱۹۳ھ) اور ابو عمرو

حفص بن سلیمان بن المغیرة (۱۸۰ھ) انتہائی نمایاں ہیں۔

آخر الذکر دو حضرات سے ہی ان کی روایت چلی ہے۔ گویا یہی دو حضرات، راوی اور بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ وفات کے وقت آیت: ﴿ثُمَّ رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقُّ﴾ [الانعام: ۶۲] ترجمہ: پھر پہنچائے جاویں گے اللہ کی طرف جو مالک ان کا ہے سچا۔ کا ورد کر رہے تھے۔ (۴۳)

۴۔ امام ابو عمرو بن العلاء البصری (۷۰ھ-۱۵۴ھ)

ابو عمرو کنیت ہی سے مشہور ہیں۔ اصل نام کیا ہے اس میں وسیع اختلاف ہے۔ ا: زبان، ۲: ریان راء اور باء کے ساتھ۔ ۳: ریان راء اور یاء کے ساتھ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ۴: ابو عمرو کنیت ہی کو نام بتایا گیا ہے۔ اسی طرح بنو عئبر میں سے ہیں یا بنو حنیفہ میں سے، ایک رائے فارسی الاصل ہونے کی بھی ہے۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) کے ہاں یہی راجح ہے۔ نحو کے بہت بڑے امام، زاہد، عابد، سیبویہ (۱۸۰ھ) عبد اللہ بن مبارک (۱۸۱ھ) کے شیخ اور امام نافع، عبد اللہ بن کثیر، عاصم بن ابی انجود، اور ابو جعفر کے تلامذہ میں سے ہیں۔ مجاہد، سعید بن جبیر (۹۵ھ) تلامذہ حضرت ابن عباس سے بواسطہ ابی بن کعب، رسول اللہ ﷺ سے استفادہ کیا۔ ادغام کبیر، امالہ میں حجت سمجھے جاتے ہیں۔ (۴۴)

۵۔ امام حمزة بن حبیب الزیاتی (۸۰ھ-۱۵۶ھ)

ابو عمارة حمزة بن حبیب بن عمارة بن اسماعیل الزیاتی، الکوفی، التمیمی، زیات سے مشہور ہیں اس لیے کہ عراق سے حلوان، بلاد الشام کی طرف تیل کا کاروبار کرتے تھے۔ اسی طرح اخروٹ عراق سے لے کر کوفہ میں فروخت کرتے تھے۔ اپنے زمانے کے بڑے مشائخ سے استفادہ کیا۔ جن میں ابو حمزہ حمران بن اعین (۱۳۰ھ) ابواسحاق عمرو بن عبد اللہ السبعی (۱۳۲ھ) محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی (۱۴۸ھ) ابو محمد طلحہ بن مصرف (۱۱۲ھ) ابو عبد اللہ جعفر الصادق (۱۴۸ھ) اور سلیمان بن مہران عمش قابل ذکر ہیں۔ ابو جعفر منصور (۲۳۶ھ) کی خلافت میں ۱۵۶ھ کو وفات پائی۔ امام حمزة کے تلامذہ کی تعداد تو بہت زیادہ ہے لیکن مشہور یہ ہیں:

- ۱۔ ابراہیم بن ادھم (۱۶۱ھ)
- ۲۔ سلیم بن عیسیٰ بن سلیم (۱۸۹ھ)
- ۳۔ سفیان الثوری (۱۶۱ھ)
- ۴۔ علی الکسائی
- ۵۔ یحییٰ بن زیاد الفراء (۲۰۷ھ)

۶۔ یحییٰ بن المبارک بن المغیرة (۲۰۲ھ)

امام حمزہؓ، امام عاصم و اعمش کے بعد کوفہ کے سب سے بڑے مقری ہوئے۔ قناعت امام حمزہؓ کا خصوصی وصف تھا۔ علم القراءات، علم الفرائض، علم اللغۃ، علم حدیث و تفسیر کے ماہر تھے۔ امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کا بیان ہے کہ امام حمزہؓ قرآن مجید کے علوم اور علم الفرائض میں تمام دنیا کے اہل علم پر حاوی ہیں۔ امام حمزہؓ کے شیخ، امام جعفر الصادق کی سند کا سلسلہ بواسطہ ابو جعفر محمد الباقر (۱۱۸ھ) علی زین العابدین، حضرت حسین بن علیؑ، حضرت علیؑ، رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح اعمش کی سند بواسطہ علقمہ النخعی (۶۲ھ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ تک سلسلہ پہنچتا ہے اور ابن ابی لیلیٰ کی سند، بواسطہ منہال بن عمرو، سعید بن جبیر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم، نبی اکرم ﷺ تک پہنچتی ہے۔ اسی طرح امام حمزہؓ بواسطہ حمران بن اعین اور ابوالاسود الدولی (۶۹ھ) حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، رسول اللہ ﷺ کے شاگرد ہیں۔ ان کی قراءت، خلف بن ہشام (۲۲۹ھ) (۲۵) اور خلاد بن خالد (۲۳۰ھ) کے واسطے سے مشہور ہوئی۔

۶۔ امام نافع مدنی (۷۰ھ-۱۶۹ یا ۱۷۰ھ)

نام نافع بن عبد الرحمن بن ابی نعیم مدنی ہے۔ مشہور قول کے مطابق کنیت ابو رویم ہے۔ اصل تعلق اصفہان (ایران) سے ہے۔ مدینہ کے شیخ القراء، بہت بڑے محدث ہوئے ہیں۔ امام مالک بن انس (۱۷۹ھ) امام دارالجمرة کے استاذ ہیں۔ ساٹھ سال مسلسل مسجد نبوی ﷺ ہی میں نمازیں ادا کیں۔ ان کے راوی اور شاگرد قالون کا بیان ہے کہ میں نے امام نافع سے زیادہ پاکیزہ اخلاق اور خوبصورت قراءت کرنے والا نہیں دیکھا۔ ستر کبار تابعین سے استفادہ کیا۔ جن میں عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج مدنی (۱۱۷ھ) ابو جعفر یزید بن قعقاع، شیبہ بن نصح، مسلم بن جندب الہذلی تابعی (۱۱۰ھ) اور یزید بن رومان (۱۳۰ھ) مشہور ترین ہیں اور یہ پانچوں حضرات حضرت ابو ہریرہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عیاش الحزومی (۷۸ھ) رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں اور یہ اصحاب ثلاثہ حضرت ابی بن کعبؓ کے شاگرد ان خاص ہیں اور حضرت ابی بن کعبؓ حضور ﷺ کے شاگرد اور تلاوت سنانے کے لیے نامزد قاری ہیں۔

امام نافع کے مشہور تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ جن میں سے اسماعیل بن جعفر انصاری مدنی، اسحاق بن محمد بن عبد الرحمن مدنی (۲۰۶ھ) سلیمان بن مسلم بن جہاز الزہری (۱۷۰ھ) امام مالک بن انس امام دارالجمرة، ابو عمرو بن العلاء البصری، الیث بن سعد مصری (۱۷۵ھ) قالون عیسیٰ بن

میں (۲۲۰ھ) ابو سعید عثمان مصری (۱۹۷ھ) قابل ذکر ہیں اور آخر الذکر دونوں حضرات امام نافع کے مشہور راوی بھی ہیں۔ (۴۶)

۷۔ امام علی الکسائی (وفات ۱۸۹ھ)

ابوالحسن علی بن حمزہ بن عبد اللہ بن بھمن بن فیروز الکوئی، فارسی الاصل، کسائی لقب ہے۔ مشہور نحوی ہیں۔ امام حمزہ بن حبیب الزیات کے شاگرد ہیں۔ کسائی لقب کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ عربی میں چادر کو کساء کہتے ہیں اور وہ اپنی عام چادر میں احرام باندھ لیتے تھے اور احرام کھولنے کے بعد اسی کا جبہ بنا کر پہن لیتے تھے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بیشتر اوقات چادر اوڑھے رکھتے تھے اور امام حمزہ جب بھی پڑھنے کے لیے بلاتے تو فرماتے، چادر والے کو بلاؤ۔ اس سے کسائی یعنی چادر والا مشہور ہو گئے۔ تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کا تعلق ”باکسایا“ سے تھا جو بغداد اور واسط کے درمیان علاقہ ہے۔ اس لئے کسائی مشہور ہوئے۔ علامہ شاطبی القاسم بن فیہ (۵۹۰ھ) کی رائے کے مطابق پہلی وجہ زیادہ راجح ہے۔ فرماتے ہیں:

”واما علی فالکسائی نعتہ لما کان فی الاحرام فیہ تسربلا“ (۴۷)

جبکہ دوسری وجہ اس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے کہ ہر وقت وہ چادر میں رہتے ہوں اور امام حمزہ نے ان کو چادر والا کہہ کر پکارا ہو۔ البتہ تیسری وجہ بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ کسائی اور باکسایا میں مطابقت دور کی ہے۔ (۴۸) خلیفہ ہارون الرشید (۱۹۳ھ) کے استاد اور ان کے بیٹے امین کے خاص مربی ہیں۔ سیبویہ کے ہم عصر ہیں۔ امام محمد بن حسن الشیبانی جو امام ابوحنیفہ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں، ان کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ دونوں ایک ہی دن فوت ہوئے۔ علم قراءت میں امام حمزہ کے اور ابو بکر شعبہ بن عیاش کے شاگرد ہیں۔ اس لیے ان کی سند حضور ﷺ تک وہی ہے۔ جو مذکورہ شخصیات کی گذر چکی ہے۔ ایک سند میں امام حمزہ کے استاذ شریک بھی ہیں۔ یعنی محمد بن ابی لیلی سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے۔ علم اللغۃ میں امام انجو، خلیل بن احمد فراہیدی (۱۷۰ھ) کے تلمیذ خاص ہیں۔ ان کے تلامذہ میں ابو عبید القاسم بن سلام متونی (۲۲۴ھ)، قتیبہ بن مہران اصہبانی (۲۰۲ھ) ابن ذکوان، یحییٰ بن آدم (۲۰۳ھ) خلف بن ہشام، یحییٰ بن زیاد الفراء مشہور ہیں۔ جبکہ خصوصی شاگرد اور راوی ابوالحارث اللیث اور حفص بن عمرو دوری ہیں۔ (۴۹)

۲۔ قراءت ثلاثہ

ابن مجاہد (۳۲۴ھ) سے لے کر ابن الجزری (۸۳۳ھ) تک قراءت سبعہ ہی پڑھی اور

پڑھائی جاتی رہیں۔ پھر ابن الجزری (۸۳۳ھ) نے قراءت سبعہ کے ساتھ تین قراءت اور ان کی قراءت کا اضافہ کیا اور یہ قراءت سبعہ کا تتمہ ہیں۔ آئندہ سطور میں ان کے ائمہ کا تعارف ہے۔

۱۔ ابو جعفر المدنی (وفات۔ ۱۳۰ھ)

یزید بن قعقاع، ابو جعفر مخزومی، مدنی جلیل القدر تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے تلامذہ میں سے ہیں۔ بچپن میں حضرت ام سلمہؓ (۶۲ھ) نے برکت کی دعا کی تھی۔ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کیا کرتے تھے۔ امام نافع مدنی، ابو عمرو بن العلاء البصری، عیسیٰ بن وردان اور سلیمان بن مسلم بن جہاز کے شیخ ہیں اور آخر الذکر دونوں حضرات ان کے راوی بھی ہیں۔ ۱۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ (۵۰)

۲۔ یعقوب البصری

ابو محمد یعقوب بن اسحاق بن زید بن عبد اللہ البصری، ابو المنذر سلام بن سلیمان المزنی (۱۷۱ھ) شہاب بن شرنفہ مجاشعی (۱۶۰ھ) ابویکی مہدی بن میمون (۱۷۱ھ) کے شاگرد ہیں۔ جبکہ روح بن عبدالمومن، رولیس محمد بن المتوکل، ابو حاتم السجستانی، ابو عمر، حفص الدوری کے استاذ ہیں۔ اول الذکر دونوں حضرات امام یعقوب کے راوی ہیں۔ ۲۰۵ھ میں فوت ہوئے۔ (۵۱)

۳۔ خلف الکوئی (۱۵۰ھ۔ ۲۲۹ھ)

امام خلف بن ہشام بن ثعلب بن خلف، دس سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کیا اور سلیم بن عیسیٰ، عبد الرحمن بن حماد کے واسطے سے امام حمزہ کے شاگرد ہیں۔ امام حمزہ کی قراءت کے راوی بھی ہیں اور ابن الجزری (۸۳۳ھ) نے ان کو مستقل قراءت کے امام کے طور پر بھی ذکر کیا ہے حالانکہ ان کی پوری قراءت کوفیین (عاصم، حمزہ، کسائی) کے اصول سے باہر نہیں ہے۔

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ نواد سزگین (مستشرق) تاریخ التراث العربی، مترجم: ڈاکٹر فہمی حجازی، جامعۃ الامام محمد بن سعود ۱۴۰۳ھ :
- ۱/۲۲-۲۱، ابن الندیم محمد بن اسحاق (۳۸۵ھ) الفہرست دار المعرفۃ بیروت ۱۹۷۸ء ص ۵۳، ۳۰۸، ۳۱۶
- ۲۔ حاجی خلیفہ (۱۰۶۸ھ) مصطفیٰ بن عبد اللہ، کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون۔ دارالعلوم الحدیثہ بیروت (س۔ن) : ص ۳۳
- ۳۔ ابن خالویہ، حسین بن احمد (۳۷۰ھ) ابن مجاہد کے بلند پایہ شاگرد، السیوطی (۹۱۱ھ) بغیۃ الوعاة فی طبقات اللغویین والنحاة، دار المعرفۃ، بیروت (سن طبع مذکور نہیں) ص ۲۳۱

- ۴- فواد سزگین، تاریخ التراث العربی: ۳۶/۱، ابن الجزری (۸۳۳ھ) النشر فی القراءات العشر، دار الفکر، بیروت (سن طبع مذکور نہیں): ۳۴/۱
- ۵- ابن جنی (۳۹۲ھ) المحتسب فی تبیین وجوه شواذ القراءات والأیضاح عنها، تحقیق علی النجدی ناصف، دار سزگین للطباعة ۱۴۰۶ھ: ۳۲/۱
- ۶- القیسی (۲۳۷ھ) الابانة عن معانی القراءات، تحقیق ڈاکٹر عبدالفتاح شلمی، المکتبۃ الفیصلیۃ طبع ثالث ۱۴۰۵ھ: ص ۵۹-۵۷
- ۷- الغزالی (۵۰۵ھ) المستصفی من علم الأصول- دارالکتب العلمیۃ بیروت، طبع دوم ۱۴۰۳ھ: ۱۰۱/۱
- ۸- النوری (۸۵۷ھ) شرح طیبۃ النشر فی القراءات العشر، تحقیق عبدالفتاح سلیمان ابوسید الادارة العامة لاجیاء التراث، القاہرہ ۱۹۹۳ء: ۱۱۹/۱
- ۹- الصفاقی (۱۱۱۷ھ) علی النوری غیث النفع فی القراءات السبع، مکتبۃ مصطفیٰ البابی مصر، ۱۹۲۵ء: ص ۱۷
- ۱۰- ابن الجزری (۸۳۳ھ) منجد المقرئین: ص ۵۷ (اور یہ زمانہ طالب علمی کی لکھی ہوئی تصنیف ہے) ابن الجزری (۸۳۳ھ) النشر: ۱۳/۱
- ۱۱- نفس المصدر
- ۱۲- ابن الجزری (۸۳۳ھ) طیبۃ النشر فی القراءات العشر ط. القاہرہ (س، ن): ص ۲
- ۱۳- ابن عاشور (۱۹۷۳ء) التحریر والتنویر الدار التونیسیۃ للنشر ۱۹۸۲ء: ۵۳/۱
- ۱۴- السندی الصغیر، ابوالحسن محمد بن صادق (۱۱۸۷ھ) بهجة النظر شرح نخبة الفکر تحقیق علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد (س-ن): ص ۱۴-۱۵
- ۱۵- عثمانی، شبیر احمد مولانا (۱۹۴۹ء) فتح الملہم شرح صحیح مسلم، کراچی (س-ن): ۵-۶
- ۱۶- الدمیاطی (۱۱۱۷ھ) احمد بن محمد شہاب، اتحاف فضلاء البشر فی القراءات الاربع عشر، تحقیق انس مہرہ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ: ۵۰۲-۵۰۱/۱
- ۱۷- ابوشامہ (۶۶۵ھ) عبدالرحمن بن اسماعیل ابراز المعانی من حرز الامانی، تحقیق ابراہیم عطوہ عوض، دارالکتب العلمیۃ، القاہرہ ۱۴۰۲ھ: ص ۲
- ۱۸- ابن الجزری (۸۳۳ھ) تقریب النشر فی القراءات العشر تحقیق علی عبد القدوس الوزیر ط. بیروت لبنان طبع اول ۲۰۰۰ م: ص ۲۴۵
- ۱۹- ابن العاشر الاندلسی عبدالواحد (۱۰۴۰ھ) تنبیہ الخلان علی الاعلان بتکمیل مورد الظمان فی رسم القرآن ط: النظارة العلمیۃ تیونس ۱۳۲۵ھ: ص ۳۴۵ اور دیکھئے: الصفاقی (۱۱۱۷ھ) غیث النفع: ص ۲۳۹
- ۲۰- العکبری عبد اللہ بن الحسن ابوالبقاء متوفی ۶۱۶ھ. املاء ما من به الرحمن فی وجوه الاعراب والقراءات فی جمیع القرآن تحقیق: ابراہیم عطوہ عوض ط. القاہرہ طبع ثانی ۱۹۶۹ء: ص ۷۱
- ۲۱- ڈاکٹر خلیل الجری، المعجم العربی الحدیث مادة: سرط: طبع مکتبۃ لاروس پیرس (س-ن): ص ۶۵۸

- ٢٢- الشاطبي، القاسم بن فيره (٥٩٠هـ) حرز الاماني ووجه التهاني شعر ٦٨ تصحیح محمد تميم الرعي دارالمطبوعات الحديثية طبع اول ١٤٠٩هـ ايضاً شعر ٦٩
- ٢٣- ملا علي قاري (١٠١٣هـ) مقدمه شرح الشاطبية، مطبع مجتباتي وبلي ١٣٢٨هـ: ص ٢
- ٢٤- اسماعيل شهيد سيد (١٨٣١هـ) اصول الفقه، الصدف پبلشرز كراچي ١٣٠٤هـ: ص ١٣
- ٢٥- ملا علي قاري (١٠١٣هـ) مقدمه شرح الشاطبية مطبع مجتباتي، ويلي، ١٣٢٨هـ: ص ٢
- ٢٦- علي محمد الضباع (١٣٤٦هـ) الاضاء في بيان أصول القراءة، المكتبة الازهرية القاهرة طبع اول ١٩٩٩ء: ص ١٠-٢٠
- ٢٧- احمد بن محمد بن الجزري (٨٥٩هـ) شرح طيبة النشر في القراءات العشر تحقيق علي محمد الضباع القاهرة (س-ن): ص ١٦
- ٢٨- عبدالفتاح قاضي (١٩٨٥هـ) البدور الزاهرة: ص ٢٢٠ ايضاً: ص ١٤٣
- ٢٩- الحياوي، محمد بن عوض زاهد مفردات القراء العشرة من طريق الشاطبيه والدرة الرياض طبع اول ٢٠٠١ء: ص ١١٣
- ٣٠- القوجي (١٣٠٤هـ) صديق حسن خان، ابجد العلوم الوشي المرقوم في بيان احوال العلوم تحقيق عبدالجبار زكار دارالكتب بيروت ١٩٤٨ء: ٢/٢٩٩
- ٣١- العسكري، الحسن بن عبدالله بن سعيد (٣٨٢هـ) تصحيفات المحدثين تحقيق محمود احمد الميرة- القاهرة طبع اول ١٤٠٢هـ: ١/٦- الزجاج (٣١١هـ) معاني القرآن واعرابه، تحقيق عبدالجليل شلمي بيروت طبع اول ١٤٠٨هـ: ١/٢٨٢
- ٣٢- ابن مجاهد (٣٢٣هـ) السبعة، تحقيق شوقي ضيف دارالمعارف بيروت طبع دوم (س-ن): ص ٢٩
- ٣٣- القيسي (٢٣٤هـ) التبصرة في القراءات السبع، الدارالسلفية، الهند (س-ن): ص ٦٠
- ٣٤- ابن حزم (٢٥٦هـ) مراتب الاجماع في العبادات والمعاملات والاعتقادات، دارالكتب العلمية، بيروت (س-ن): ص ١٤٢
- ٣٥- الشاطبي (٥٩٠هـ) حرز الاماني شعر ٣٥٢
- ٣٦- محمد عبد العلي بن محمد نظام الدين (١٢٢٥هـ) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مطبعة اميريه ١٣٢٢هـ: ص ١٠٢
- ٣٧- فتح محمد (أبي) (١٣٠٤هـ) عنايات رحمانى شرح حرز الاماني، ملتان، طبع دوم ١٩٨٢ء: ١/٣٩٠
- ٣٨- ابن مجاهد (٣٢٣هـ) السبعة، تحقيق شوقي ضيف، دارالمعارف، بيروت، طبع دوم: ص ٦٢
- ٣٩- الشاطبي (٥٩٠هـ) حرز الاماني شعر ٢٢
- ٤٠- الداني، ابو عمرو (٢٢٢هـ) الأحرف السبعة للقرآن، تحقيق الدكتور عبد المصين طحان مكتبة المنارة مكة المكرمة طبع اول- ١٩٨٨ء: ص ٦١
- ٤١- محمد الصادق قحماوي، البحث والا ستقراء في تراجم القراء، طبع اول، الكليات الازهرية. القاهرة (س-ن): ص ٣٠-٣٣ ايضاً، ابن الجزري (٨٣٣هـ) غاية النهاية في طبقات القراء، دارالكتب العلمية، بيروت ١٩٣٢ء: ١/٢٢٣
- ٤٢- نفس المصدر

- ۲۳۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) غایۃ النہایۃ: ۳۳۶/۱
- ۲۴۔ ایضاً: ۲۴۳/۲-۲۴۵
- ۲۵۔ ۱۔ خلف۔ ابو محمد خلف بن ہشام بن ثعلب بن خلف المعروف البراز اسدی بغدادی ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ قراءت کے امام، محدثین کے ہاں ثقہ عبادت و زہد میں ضرب المثل ہیں۔ امام ابن الجزری فرماتے ہیں کہ خلف کا بیان ہے کہ مجھے نحو کا ایک باب مشکل لگا اور میں اس کو نہ سمجھ پایا تو میں نے ۸۰ ہزار درہم اس باب کو سمجھنے کے لئے مختلف اسفار میں ختم کئے۔ یہاں تک کہ وہ باب میں نے یاد کر لیا اور اس کو سمجھ لیا۔ امام حمزہ کے براہ راست شاگرد نہیں ہیں بلکہ بواسطہ سلیم ان کے شاگرد ہیں۔ اور سلیم سے ہی روایت کی ہے۔ جھمیہ کے دور میں روپوش رہے اور اسی حالت میں بغداد کے اندر ان کی وفات ۲۲۹ھ میں ہوئی۔ امام خلف کے مشہور طرق میں سے طریق ابن عثمان، ابن مقسم، ابن صالح اور مطوعی ہیں۔ ابن الباذش (۵۴۰ھ) الاقناع: ۱۲۶/۱
- ۲۔ خلاد بن خالد الصیرفی امام حمزہ کے دوسرے راوی خلاد بن خالد الشیبانی، الصیرفی، الکوئی ہیں۔ امام حمزہ سے بواسطہ سلیم اتصال سند ہے۔ بلا واسطہ شاگرد نہیں ہیں یاد رہے کہ امام حمزہ کے ایک شاگرد خلاد بن خالد احوال کوئی بھی ہیں۔ لیکن وہ اور ہیں، وہ ان کے راوی نہیں ہیں۔ ایسے ہی خلاد بن عیسیٰ بھی امام حمزہ کے کبار تلامذہ میں سے ہیں۔ لیکن ان کے راوی نہیں ہیں۔ خلاد بن خالد راوی امام القراءت ہیں۔ ۲۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ غایۃ النہایۃ ۲۴۱-۲۴۵۔ امام خلاد کے طرق مشہورہ طریق ابن شاذان، ابن الہشتم، الوزان لطلحی ہیں۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) تقریب النشر: ص ۷۹-۸۰
- ۲۶۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) غایۃ النہایۃ: ۳۳۰/۲
- ۲۷۔ الشاطبی (۵۹۰ھ) حرز الامانی شعر ۳۹
- ۲۸۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) غایۃ النہایۃ: ۵۳۹/۱
- ۲۹۔ الذہبی (۷۲۸ھ) معرفة القراء الکبار علی الطبقات والاعصار، تحقیق: بشار عواد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت (سن طبع مذکور نہیں): ۱۲۰/۱
- ۵۰۔ ابن الجزری (۸۳۳ھ) غایۃ النہایۃ: ۳۸۲/۱
- ۵۱۔ الذہبی (۷۲۸ھ) معرفة القراء الکبار: ۱۵۷/۱